Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"وہ اَور زمانہ تھا چاچا،" اعجاز ہنس کر بولا، "اب وقت بدل گیا ہے۔"

"جیسے تیری مرضی۔" چاچا احمد بولا، "اپنی لڑکیاں اپنے گھروں میں ہی لگ جائیں تو بہتر ہوتا ہے۔"

"اِس سے اچھی کیا بات ہے، چاچا،" اعجاز نے کہا۔

چند روز کے بعد جب سرفراز گھر آیا تو چاچے احمد کا سارا ٹبر ملنے کے لِئے آیا۔ چاچے احمد اَور ماسی نے اُسے گلے لگا کر خوش آمدید کہا۔

"کیوں بئی سرفراز،" چاچے احمد نے پوچھا، "اجاز تیرے پاس ہونے کے جلسے پر پہنچ گیا تھا ناء۔ ٹھیک ٹھاک تھا ناء، کوئی اُٹھک بیٹھک میں غلطی تو نہیں کر گیا؟"

"نہیں چاچا، لالے کی بڑی شان تھی۔"

"اَور شان بنائی کِس نے تھی؟ یہ خُدا کا بندہ تو وہ لٹھے کی اچکن پہن کر جا رہا تھا۔۔۔۔"

"چاچا لٹھے کی نہیں، بڑے اچھے کپڑے کی ہے،" اعجاز اُس کی بات کاٹ کر بولا۔

چاچے احمد نے اعجاز کی بات کی جانب توجہ نہ دی۔ "میں نے،" وہ چھاتی پہ ہاتھ مار کر بولا، "اَور سکینہ نے اس کو کالی اچکن پہنائی۔"

"بالکل ٹھیک کیا چاچا،" سرفراز نے کہا۔ "سب لوگ لالے کے شملے کو دیکھ رہے تھے۔" "وہ شملا بھی میں نے اِسے پہنایا تھا سرفرازے۔ تیری عزت کی خاطر۔" چاچے نے کہا، پھر، دِلچسپی سے سرفراز کی جانب جُھک کر پوچھا، "جرنیل کرنیل بھی دیکھ رہے تھے؟"

"سب لالے کو دیکھ رہے تھے،" سرفراز ہنس کر بولا۔

"دیکھ لے،" چاچا احمد فخریہ اعجاز سے مخاطب ہوا، "میں نہ کہتا تھا ٹش نکال کے جا، سرفراز کا سر اُونچا ہو گا۔"

گاؤں کا ایک ایک آدمی سرفراز سے ملنے کے لِئے آیا۔ دو دِن کے بعد جب فراغت کا لمحہ آیا تو اعجاز نے بات کی۔ سرفراز کا جواب سننے سے پہلے ہی اعجاز کو محسوس ہو چُکا تھا کہ اب وقت واقعتاً بدل چُکا تھا۔ سرفراز جو کبھی اُس کی بات کو نہ پلٹتا تھا، اب سمجھ اَور سوچ کر، تسلی اَور حوصلے سے، سر اُٹھا کر جواب دیتا تھا، جیسے اُس کے آگے دنیا جہاں کا وقفہ ہو اَور دِل میں جواب دہی کی کوئی بیتابی نہ ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"ابھی تو چھ سال تک میں شادی ہی نہیں کر سکتا، لالہ" سرفراز نے کہا۔

"کیوں؟"

"فوج کا قانون ہے۔ یا چھ سال کی سروس مکمل ہو یا چھبیس سال کی عمر۔ اس سے پہلے نہ شادی کی اجازت ملتی ہے نہ میریڈ رہائش نہ الاؤنس۔"

"تجھے رہائش الاؤنس کی کیا ضرورت ہے،" اعجاز نے کہا، "تیرا اپنا گھر ہے، پیسے دھیلے کا اللہ کا فضل ہے۔ سارا خرچہ میں کروں گا۔"

"سارا خرچہ کرو گے؟" سرفراز نے شرارت سے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں،" اعجاز نے جواب دیا۔

سرفراز کچھ بولے بغیر مسلسل مسکراتا ہوا اُسے دیکھتا رہا تو اعجاز کو اُس کا مطلب کھٹک گیا۔ "دیکھ سرفراز،" وہ بولا، "میں جانتا ہوں تم کیا سوچ رہے ہو۔ لوگ مجھے کنجوس آدمی سمجھتے ہیں۔ میں کنجوس نہیں ہوں، کفایت شعار ہوں۔ آج میں چند لفظوں میں تجھے اپنی کہانی سناتا ہوں۔"

اعجاز کی آواز ایک لمحے کو بھرا گئی۔ اُس نے کھانس کر گلا صاف کیا، اُٹھ کر ناک سنکی اور چادر کے پلو سے مُنہ پوچھا۔ "میں نے غربت دیکھی۔ ٹھیک ہے، روٹی پیٹ میں جاتی رہی ہے، مگر فاقہ کشی سے بڑی غربت کی صورتیں ہوتی ہیں۔ میں نے ہجرت اور ماں کی موت ایک ساتھ دیکھی ہے۔ یہ غربت کا ایک بڑا مقام ہے۔ تو خوش قسمت ہے، نہ ہجرت دیکھی نہ ماں کی خبر ہوئی۔ مزید خوش قسمت ہے کہ تیرا اور پاکستان کا اِکٹھا جنم ہوا، خوشیاں منائی گئیں۔ میری عمر میں ایک سے ایک کڑا اِمتحان آیا ہے۔ میں تجھے بتاتا ہوں، سب سے بڑی غربت ذِلت کی غربت ہوتی ہے، ناطاقتی کی غربت، زیادتی کے سامنے بے بضاعتی کی غربت، سمجھو کہ یہ غربت کا صدر مقام ہے۔ پیٹ کا خلاء کبھی نہ کبھی بھر جاتا ہے، ذِلت کے داغ مرتے دم تک سینے سے نہیں اُترتے۔ میں نے اپنے دِل سے وعدہ کیا تھا کہ دُنیا اِدھر کی اُدھر کرنی پڑے، مگر اب مجھے کوئی ذلیل نہیں کرے گا۔ تجھے پتا ہے، اب میں گھر بیٹھ کر کھا کھلا سکتا ہوں، مگر میں نے غریبوں مزدوروں کے ساتھ بیٹھنا نہیں چھوڑا، وہ میری عزت کا سبب ہیں۔ ساتھ اب جیب میں چار پیسے بھی آ گئے ہیں، اونچی جگہ ہو یا نیچی، برابری کا درجہ ملتا ہے۔ میں کنجوس نہیں ہوں، ذرا سوچ سمجھ کر گانٹھ کھولتا ہوں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



جیب میں رقم ہو تو دِل میں گرمی رہتی ہے۔ ایک منٹ صبر کرو، تمہیں دکھاتا ہوں" اعجاز اُٹھ کر گھر کے اندر گیا اور چند منٹ کے بعد واپس آیا۔ اُس کے ہاتھ میں بنک کی کتاب پکڑی تھی۔ "یہ دیکھ،" وہ ورق اُلٹ کر دکھانے لگا، پھر اُس نے آخری سطر پر انگلی رکھی، "یہ رقم اِس وقت جمع ہے۔ اِس میں آدھی تیری ہے۔ جس وقت چاہو لے سکتے ہو۔ میرے نزدیک حسن حسین سے پہلے تیرا حق ہے۔"

"نہ نہ لالہ، یہ تیری کمائی ہے۔ ضرورت ہوئی تو مانگ کر لے لوں گا۔ مگر میں اپنے پیروں پہ کھڑا ہو چکا ہوں۔ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ روپے پیسے کا اللہ کا فضل ہے تو پھر کچھ اپنے اُوپر بھی خرچ کرو۔ گھر باہر کی حالت درست کرو۔"

"گھر باہر کی حالت کو کیا ہے؟ ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"کہاں ٹھیک ٹھاک ہے؟ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے اُسی کچے مکان میں رہ رہے ہیں جو ابے نے بنایا تھا۔ آج تک صحن میں اینٹیں تک نہیں لگوائیں۔ بارش ہوتی ہے تو کیچڑ کی وجہ سے قدم نہیں اُٹھتا۔ مکان پکا کرواؤ، اُوپر چوبارہ بنواؤ، باہر والا کمرہ گرا کر نیا بنواؤ، دروازے کھڑکیاں نئی لگواؤ، روغن سفیدی کراؤ، کچھ پتا بھی چلے کہ اللہ کا فضل ہے۔ خالی کہنے سے کیا ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے،" اعجاز نے کہا۔ "اینٹیں لگوا دوں گا۔"

"اونہوں۔ سارا مکان پکا بنواؤ۔ تم کہتے ہو آدھے پیسے میرے ہیں۔ میرے حصے کے سارے لگا دو۔"

"تیرے پیسے کو میں ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا۔ اپنے پیسے سے سب کچھ بناؤں گا۔"

"چلو جیسے بھی بناؤ، بناؤ تو سہی۔"

"بنا دوں گا، کرنیل صاحب۔ بنوا دوں گا۔"

سکینہ چہرے پہ مسکراہٹ لیے پُر تحسین نظروں سے سرفراز کو دیکھ رہی تھی۔

"سرفراز ٹھیک ہی کہتا ہے،" وہ بولی۔ "آئے گئے کی نظروں میں بھی عزت ہوتی ہے۔ تلک برادری والے آتے جاتے رہتے ہیں۔"

"اب تو نے چوڑیوں کے بعد مکان پر بھی سرفراز سے گٹھ جوڑ کر لیا ہے؟" اعجاز نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"کیوں نہیں؟ سب کچھ بنا سکتے ہو۔ ابھی تو سرفرازے کی بیوی کے لِئے بھی کڑے اَور ہار بنواؤں گی۔"

"بی بی، پہلے مجھے سرفرازا کہنا تو چھوڑو۔"

"تو کیا اب تجھے لفٹین صاحب کہوں؟"

"نہیں،" سرفراز ہنسا۔ "سرفراز کہو۔ اَور شادی کا ذِکر چھ سال سے پہلے نہ کرو۔"

وہ بیٹھے باتیں ہی کر رہے تھے کہ سخی محمد گجر دروازے میں داخل ہوا۔ سخی محمد کی عُمر ستر سے اُوپر تھی اَور مُنہ میں ایک دانت نہ تھا۔ سلام دُعا کے بعد وہ صحن میں آ کر چارپائی پہ بیٹھ گیا اعجاز نے بنک کی کتاب جیب میں رکھ لی۔

"ملک اجاز، تو بڑا آدمی ہے،" سخی محمد بولا، "میرا انصاف کرا دے تو ساری عمر میرے اُوپر تیرا اِحسان رہے گا۔"

سرفراز سخی محمد کے پُرانے قصے کو یاد کر کے دِل ہی دِل میں ہنسا۔ بیس برس پہلے سخی محمد کے پھوپھی زاد بھائی وزیر محمد نے بیٹی کا رشتہ دینے کے وعدے پر سخی محمد سے چھ بکریاں لی تھیں۔ بعد میں سخی محمد کے بیٹے کو قتل کے مقدمے میں بارہ سال قید کی سزا ہو گئی۔ اُس کی غیر موجودگی میں وزیر محمد نے بیٹی کو دُوسری جگہ پر بیاہ دیا۔ اُس دِن سے سخی محمد اپنی بکریاں واپس لینے کا دعوے دار تھا۔

"تیرا معاملہ ٹیڑھا ہے، مہر سخی،" اعجاز نے اُس سے کہا۔ "اتنا زمانہ گزر گیا۔"

"زمانہ گزر گیا ہے تو کیا ہُوا۔ میں تو نہیں گزرا۔ ملک اجاز، بیٹیاں تو اللہ واسطے دی جاتی ہیں۔ مگر وزیر نے مدد مانگی، میں نے بکریاں دے دیں۔"

"مہر سخی،" اعجاز صبر سے بولا، "وزیر بھی مر گیا، مراد قید کاٹ کر آیا اور دو سال کے بعد وہ بیماری سے اللہ کو پیارا ہو گیا۔ تیری بکریاں بھی مر گئیں۔ اب تو نے کیا لینا اور کیا دینا ہے؟"

"اجاز، میری بکریوں کی نسل اُس کے گھر میں چل رہی ہے۔"

"مہر سخی، بارہ تیرہ سال میں تو زمین بھی قبضہ داروں کی ہو جاتی ہے۔"

"زمین تو اجاز قبضے والوں کی ہوتی ہے۔ پر یہ زبان کی بات ہے۔ مُنہ کی بات کبھی نہیں مرتی۔ وہ زبان کر کے پھر گیا تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


"تو کیا وہ اپنی بیٹی کو بارہ سال تک گھر میں بٹھائے رکھتا؟ تین بار تو پنچایت فیصلہ کر چکی ہے۔ وزیر نے اپنی زندگی میں قرآن اٹھالیا تھا کہ بکریاں مراد کے جیل جانے سے پہلے بیماری سے مرگئی تھیں۔ گواہ بھی حاضر ہو گئے تھے۔ اب باقی کیا رہ گیا ہے؟"

"اب باقی وزیر کا کذب رہ گیا ہے اعجاز۔ سارے شہر کو پتا ہے گواہ جھوٹے تھے، اور بکریاں مراد کے جیل جانے کے بعد بچے دے کر مری تھیں۔ آج وزیر کے گھر میں میری بکریوں کا اجڑ بن گیا ہے، وزیر کے لڑکے امیر ہو گئے ہیں۔ یہ میری دولت ہے۔ یہ دیکھ،" سخی محمد نے چادر کے کونے کی گانٹھ کھولی اور ایک بوسیدہ سا کاغذ نکالا، جس کی تہیں اُس نے ازحد احتیاط سے کھولیں۔ "بارہ مہینے پہلے میں نے حساب کروایا تھا۔ اٹھتر ہزار کی رقم بنتی ہے۔"

اعجاز اور سرفراز پہلے کئی بار یہ کاغذ دیکھ چکے تھے، جس پہ کسی نے طفلانہ لکھائی میں رقموں کی جمع تفریق کی ہوئی تھی، اور جو بارہ مہینے کی بجائے کئی سال پرانا تھا۔ سخی محمد اسے ہمیشہ بارہ مہینے پہلے کا حساب بتاتا تھا۔ پرزہ دیکھ کر اعجاز اور سرفراز دونوں ہنس پڑے۔

اب تو کہے گا کہ بکریوں کا بیس سال کا دودھ بھی تیرے حصے میں آتا ہے،" اعجاز نے کہا۔

"دودھ میں اُن کو چھوڑ چکا ہوں،" سخی محمد سنجیدگی سے بولا۔ "وہ اُن کی قسمت۔"

سرفراز یہ مکالمہ کئی بار سن چکا تھا، وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ "میں ذرا باہر سے ہو کر آتا ہوں،" اُس نے کہا۔ وہ دروازے سے باہر جا رہا تھا کہ اُس نے اعجاز کو کہتے ہوئے سنا، "جو پٹھے بکریوں نے کھائے ہیں وہ حساب سے نفی کئے ہیں؟"

سخی محمد اپنے دُوسرے بیٹوں، بہوؤں، اور پوتوں پوتیوں کے ساتھ رہتا تھا۔ اُس کی دس کلے زمین تھی جس پہ اُس کے دو بیٹے کاشت کرتے تھے اور ساتھ ڈنگروں کا کاروبار بھی چلاتے تھے۔ تیسرا بیٹا دس جماعتیں پاس کر کے شہر میں کلرک ہو گیا تھا۔ اِن لڑکوں کی وزیر محمد کے بیٹوں کے ساتھ کوئی دشمنی نہ تھی۔ مگر سخی محمد کو اور کوئی کام نہ تھا۔ دِل میں اُسے علم تھا کہ بکریاں یا اٹھتر ہزار کی رقم ملنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ مگر وہ ہر روز گاؤں کے ایک نہ ایک معتبر آدمی کے پاس جا بیٹھتا اور اپنے دعوے کی داستان دہراتا تھا۔ اس کے بیٹے اُسے یہ قصہ کرنے سے منع کرتے تھے، مگر سخی محمد کسی کی بات نہ سنتا تھا۔ اُس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


زندگی میں اب یہی ایک شغل رہ گیا تھا۔

سرفراز چلتا چلتا دُور نِکل گیا۔ اُس کے دِل کے ساتھ ایک ناگہانی واقعہ پیش آ چُکا تھا۔ گاؤں آتے آتے وہ شعیب کے گھر پہ ایک رات کو ٹھہر گیا تھا۔ وہاں نسیمہ سے اُس کی تیسری بار ملاقات ہوئی۔ اب نسیمہ کی شکل اُس کے دل سے نہ اُترتی تھی۔ معمولی سی کُھد بُد کی یہ کیفیت ایک جذبے کی شکل اختیار کرتی جا رہی تھی۔ اُس کا بدن ایک تازہ ہل چلے ہُوئے کھیت کی مانند تھا جس کی نالیوں میں پانی کے دھارے ایک ذرے سے دُوسرے کو سرائیت کرتے جا رہے ہوں، مگر جذبے کے یہ سوتے اُس کی سرزمین کو سیراب کرنے کی بجائے ایک زنجیر کا سرا اُس کے ہاتھ میں پکڑاتے جا رہے تھے جس کا دوسرا سرا نظر سے مستقل اوجھل تھا۔ دِل ہی دِل میں کسماتا ہُوا وہ کھیتوں کھیت چلتا گیا۔ ایک جگہ پہ بیٹھ کر اُس نے لمحہ بھر کو آنکھیں بند کیں تو اُن کے پردے پر نسیمہ کا چہرہ یوں دکھائی دیا جیسے برسوں کی محنت سے کھودا گیا ہو، گو تین دِن پہلے سرفراز نے اِس کی جانب دھیان بھی نہ دیا تھا۔

وہ گھر لوٹا تو سخی محمد جا چُکا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی حسن اَور حسین دوڑتے ہوئے آئے۔ سرفراز نے دونوں کو اُٹھانے کی کوشش کی۔

"اووو۔۔۔۔" وہ زور لگاتے ہُوئے بولا۔ پھر اُس نے ہار کر ایک کو چھوڑ دیا۔ "نہ بھئی نہ۔ اب تُم بڑے ہو گئے ہو۔ ایک ایک کر کے۔۔۔۔۔ ایک ایک کر کے۔" اعجاز، سکینہ اَور چاچا احمد بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

"بھئی سرفراز،" اعجاز بولا، "عباس کا کُچھ نہ کُچھ کرنا ہے۔ چاچے کو بڑی فکر ہے۔"

"ہاں بچُو،" چاچے نے کہا، "کُچھ اُس کا خیال کر۔ باذر سے اِدھر اُدھر جاتا آتا رہتا ہے۔ اِسے چسکا پڑ گیا ہے۔ مگر تجھے پتا ہے یہ کام بڑا خطرے ناک ہے۔ میں کہتا ہوں کسی سرکاری نوکری پر لگ جائے تو اس کی زندگی بچ جائے۔"

"فوج میں سپاہی ہو سکتا ہے چاچا،" سرفراز نے کہا۔ "میں اُس کو بھرتی کے دفتر کی طرف رُقعہ لکھ دوں گا۔ صحت والا ہے، آسانی سے ہو جائے گا۔"

"تیری بڑی مہربانی سرفراز،" چاچے نے کہا، "پر فوج میں تو پشور اَور کوئے اَور پتا نہیں کدھر کدھر بھیج دیتے ہیں۔ پھر اللہ راکھا ہوتا ہے۔ سال کے بعد دو چار دن کی چھٹی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


ملتی ہے تو مُنہ دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔ تیری ماسی تو وچھوڑے سے مرجائے گی۔ میری اُس کو کوئی فکر نہیں، میں چاہے ساری عُمر اِدھر بیٹھا رہوں میرا نام بھی نہیں لے گی۔ پر عباس ایک دِن بھی اُس کی آنکھ سے پرے ہو جائے تو رونے لگتی ہے۔"

"چاچا، نام تو تیرا ماسی تیرے سامنے بھی نہیں لیتی،" سرفراز ہنس کر بولا۔

"میں کہتا ہوں اگر پُلس وُلس میں ہو جائے تو بہتر ہے۔ اپنے آس پاس رہے گا۔"

"پولیس کے محکمے میں میرا کوئی دخل نہیں چاچا۔"

"واہ بھئی واہ، فوج کا راج ہے، تیری بات کون موڑے گا۔ کپتان شپتان پُلس میں بھی لگے ہوئے ہیں۔ کسی سے کہوا کر لگوا دے۔ وردی پہنے گا تو شوق میں آ کر اِس خطرے ناک کام سے ہٹ جائے گا۔"

"میری مانو تو چاچا فوج میں ہی کرا دو۔ کچھ نہ کچھ پڑھا ہُوا بھی ہے۔ اگر لگا رہا تو ترقی کر کے حوالدار، جمعدار، صوبیدار تک جا سکتا ہے۔ بڑی اتھارٹی ہوتی ہے، سہولتیں ملتی ہیں۔"

"اتھارٹی تو اصلی تیری ہے سرفراز،" چاچا بولا۔ "اپنے تین چکوں میں کوئی تیری پوزیشن کو نہیں پہنچا۔ ہمارا شملا اونچا ہو گیا ہے۔ ایک دِن جرنیل بن جائے گا، راج کرے گا۔ بس کوشش کر کے پُلس میں ہی لگوا دے، اللہ بھلا کرے گا۔"

"تیری یہی ضد ہے تو پوچھ گچھ کروں گا چاچا، مگر وعدہ نہیں کر سکتا۔۔۔۔"

چاچا اور اعجاز باتوں میں لگ گئے تو سرفراز اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ یہ کمرہ سرفراز کے لِئے مخصوص تھا۔ چاچا احمد آتا تو عموماً ڈیرے پر سوتا تھا۔ ماسی یا جمیلہ جب آتیں تو سرفراز کی غیر موجودگی میں اُس کے کمرے میں حسن کو ساتھ لے کر سوتی تھیں جو اُن کا چہیتا تھا۔ حسن کا رنگ گہرا گندمی اور طبیعت میٹھی تھی۔ حسین گورا چٹا خوش شکل مگر غُصیلا بچہ تھا، اپنے ماں باپ کے قابو میں بھی نہ آتا تھا اور حسن کے ساتھ تو وہ ہر وقت بِھڑتا اور اُسے مارتا پیٹتا رہتا تھا۔ گھر کے لوگوں میں صِرف دو ایسے تھے جن کی بات وہ مانتا تھا، ایک ماسی اور دُوسرا سرفراز۔ سرفراز کے کمرے میں پانی کی چلمچی منگوا کر رکھی گئی تھی، جو اُس کے پیچھے تو خالی رہتی مگر جب وہ آتا تو آدھی سطح تک بھر دی جاتی تھی۔ سرفراز نے کبھی اُسے استعمال نہ کیا تھا۔ نہانے دھونے، پینے اور پلانے کے لِئے وہ باقی گھر والوں کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


طرح نلکے سے کام لیتا تھا۔ اس کے باوجود سکینہ ہر روز پُرانا پانی گرا کر چلمچی کو تازہ پانی سے بھر دیا کرتی تھی۔ کمرے میں نواڑ کے پلنگ اور بستر کے علاوہ دُوسری طرف ایک میز اور کرسی بچھی تھی۔ میز پر شیشے کا جگ اور گلاس پڑے رہتے تھے۔ سرفراز کے قیام کے دوران چلمچی کی مانند جگ میں بھی روزانہ پانی بدلا جاتا تھا۔ ہر چھوٹے بڑے کو جو سرفراز کے بعد وقتاً فوقتاً کمرے میں سوتا، سختی سے ہدایت تھی کہ کوئی شے خراب یا میلی نہ ہونے پائے۔

سرفراز کمرے میں داخل ہو کر میز کرسی کی جانب جانے کی بجائے خلاف معمول چلمچی کے پاس جا کھڑا ہُوا۔ پانی استعمال کرنے کا اُس کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ وہ گھٹنوں پہ ہاتھ جمائے، جھک کر کھڑا اِنہماک سے پانی کی بے حرکت سطح پر اپنی صورت کے عکس کو دیکھتا رہا، گویا کوئی اہم کام کر رہا ہو۔ اُس کا ذہن خالی تھا۔ وہ یوں محسوس کر رہا تھا جیسے ہوا میں معلق ہو۔ تام چینی کی سفید چلمچی میں پانی کا وجود بے رنگ تھا، مگر اُس کے اندر اپنا چہرہ اُسے صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اُس نے ہاتھ اٹھا کر سر پر پھیرا اور کان کے اُوپر بال سیدھے کئے جو کھیتوں کی ہوا نے اڑا کر بے ترتیب کر دیئے تھے۔ سرفراز نے کئی بار زمین پہ کھڑے پانی میں عکس دیکھا تھا، مگر اُس کو کبھی خیال نہ آیا تھا کہ اُس کا چہرہ زمین کی سطح سے کہیں نیچے دکھائی دے رہا تھا، جیسے اس کے اندر دفن ہو اور جیتا جاگتا بھی ہو۔ اُس نے چہرے کو دو اِنچ ایک جانب کو سرکایا اور رُک گیا، پھر دُوسری طرف ہلایا، پھر سر کو آدھا موڑ کر اپنے چہرے کا ایک طرفہ نظارہ کیا۔ کچھ دیر کے بعد اِس کھیل سے اُکتا کر اُس نے کمر سیدھی کی تو اُس کا چہرہ زمین میں دھنستا چلا گیا۔ یہ دیکھ کر وہ متعدد بار جھکا اور پھر سیدھا کھڑا ہُوا۔ یہ ایک روزمرہ کی بات تھی، مگر اُس وقت جب اُس کے ذہن کی کھڑکیاں بند تھیں اور وہ اُن کے پٹ کھولنے کی کاوش میں تھا، چمکیلی سطحوں کا یہ سراب اُس کے احساس میں اس طرح داخل ہوا جیسے پہلی بار علم کے دائرے میں آ رہا ہو۔ اس نیم حیرت زدہ حالت میں وہ جا کر بستر پہ سیدھا لیٹ گیا۔ ذہن کے ایک پٹ کی درز سے کچھ لو لگی تو اُس نے سوچا، میری اُس سے کوئی خاص بات تو ہُوئی نہیں، آنکھ کی تار تک نہیں جڑی، نہ کوئی اشارہ ملا نہ نشان۔ ہاں، میرے نام کی اُس کو پہچان ہے، میری شکل شباہت سے وہ واقف ہے، میری شناخت اپنے بھائی شعیب کے دوست لفٹنٹ سرفراز کے طور پر کرتی ہے۔ مگر مجھے یہ تک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


علم نہیں کہ کیا وہ میرے وجود سے بھی باخبر ہے؟ میں کیا کر سکتا ہوں؟ اُن دونوں کو یہاں مدعو تک نہیں کر سکتا۔

نسیمہ کے اُس ٹوٹی ہُوئی گلیوں والے گاؤں میں آنے کا خیال کر کے سرفراز کا دِل بیٹھنے لگا۔ یہ خیال گویا ایک خُونخوار درندے کی مانند تھا جو اُس کے دِل پہ حملہ کرنے کو تیار بیٹھا تھا۔ زندگی میں ایک خاص حد تک کامیابی اور اعتماد حاصل کرنے کے بعد پہلی بار سرفراز کو اپنے بے بضاعتی کا احساس ہوا۔ اِس خیال کو سمیٹنے کے لِئے اُس نے اپنے آپ کو ایک کھیل میں مشغول کر لیا جو وہ اکثر کڑے وقتوں میں کھیلا کرتا تھا۔ اِس کھیل کا اِصول یہ تھا کہ خیال کے اندر حاضر حقیقت کی بجائے ایک الگ اور برعکس حقیقت کی تشکیل کی جائے۔ اِس تصور کو کسی معمول کی اِصلاح، جیسے "خوش آئند خیالات" سے بیان کرنا دُرست نہیں تھا، کیونکہ یہ ایک ایسی حقیقت تھی جو سرفراز کے اندر حقیقت حال کی نسبت زیادہ حقیقی طور پہ وجود میں آتی تھی۔ اِس کھیل کو اُس نے بچپن میں اِیجاد کر لیا تھا جب اُس کو اپنی نگاہ میں دُنیا کی چیزیں دُور اور نزدیک آتی اور جاتی ہُوئی دکھائی دینے لگی تھیں۔ فوج کی دو برس کی ٹریننگ کے دوران وہ اپنی عجوبہ نظر کو بڑی حد تک ضبط کے دائرے میں لے آیا تھا اور اب اُسے ضرورت کے مطابق استعمال کر سکتا تھا۔ یہ اُس کے جاگتے خواب تھے جن پہ اُس کا اختیار تھا۔ اِس وقت چارپائی پہ لیٹے لیٹے اُس نے آنکھیں میچ لیں اور اپنی مرضی کے مطابق ایک منظر دیکھنے لگا۔

سرفراز کے سامنے اب معاً دُنیا کا نقشہ بدل گیا۔ اُن کا گھر، صحن سمیت، اینٹوں اور سیمنٹ کا بن گیا، دیواروں پہ سفیدی ہو گئی، گاؤں کی گلیاں پکی ہو گئیں اور اُن میں نسیمہ چلنے پھرنے لگی۔ وہ گھر میں داخل ہو کر صحن میں بچھی ہُوئی میز کرسیوں میں سے ایک کرسی پہ بیٹھ گئی اور ہاتھ میں پکڑا ہُوا اخبار کھول کر پڑھنے لگی۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھی تھی مگر اُس کی کمر سیدھی تھی اور اخبار دونوں ہاتھوں میں پھیلا تھا۔ دوپٹہ سر سے ڈھلکا ہُوا تھا۔ یہ اُس کا وہی انداز تھا جس میں سرفراز نے آخری بار اُسے دیکھا تھا۔ یہ سب عوامل کھٹاک کھٹاک کر کے گویا اپنے اپنے خانوں میں بیٹھتے چلے جا رہے تھے اور سرفراز کے دِل میں وقت کی تنگی کا احساس ناپید ہوتا جا رہا تھا۔ ایک وسیع و عریض دنیا اُس کے سینے میں سماتی جا رہی تھی جس کے ممکنات کی کوئی حد نہ تھی۔ اِس وقت بستر پہ لیٹے لیٹے سرفراز

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



کا ذہن اِن آرام دہ تھپکیوں کے اثر سے خاموش ہوتا چلا گیا۔ اُس نے دروازے پہ کھٹکا محسوس کیا مگر اپنی جگہ سے حرکت نہ کی۔

"چاچا" حسین نے پوچھا "بی بی کہتی ہے روٹی کب کھاؤ گے؟"

سرفراز نے آنکھیں کھولے بغیر ہاتھ اُٹھا کر اشارے سے منع کر دیا۔ اُس کے اعضاء پہ نیند طاری ہو رہی تھی۔

راہولی اَور گوجرانولہ کے درمیان سرفراز کے بریگیڈ کا پڑاؤ پڑا تھا۔ ایک وسیع چٹیل میدان میں خیموں کا شہر بسا تھا جس کے گرد صِرف دو خاردار تاروں کی باڑ باندھی گئی تھی اَور جرنیلی سڑک کے کنارے پہ لکڑی اَور لوہے کا عارضی گیٹ بنا تھا۔ گیٹ پہ انفنٹری بریگیڈ کے نام کا بورڈ نصب تھا۔ سہ پہر کے وقت عباس "کپتان ملک سرفراز اعوان" کا پتا پوچھتا پوچھتا سرفراز کے خیمے تک پہنچ گیا۔ اُس سے پہلے جب سرفراز کے پاس گیٹ سے "محمد عباس اعوان" کا پیغام پہنچا تو اُس نے داخلے کی اجازت بھیج دی تھی۔

"یار میں ابھی کپتان نہیں بنا، لفٹننٹ ہوں، اَور وہ بھی ابھی بنا ہوں،" گلے ملنے کے بعد سرفراز نے ہنس کر کہا۔ "اَور نہ ہی چوہدری اَور اعوان شوان کہلاتا ہوں۔ اِدھر میرا نام لفٹننٹ محمد سرفراز ہے۔ بیٹھو بیٹھو، تم اِس وقت کدھر یہاں آ نِکلے ہو۔ اطلاع ہی کر دی ہوتی۔ گیٹ پر زیادہ دیر رُکنا تو نہیں پڑا؟"

"آدھا گھنٹہ ٹیلیفون کی صندوقچی کا ہینڈل گھماتے رہے۔ یار یہ ٹیلیفون کِس طرح کے ہیں؟"

"ہمارے فیلڈ ٹیلیفون اسی طرح کے ہوتے ہے۔"

"کوئی کپتان سرفراز تھا، اُس سے میری بات کرائی،" عباس نے کہا۔ "وہ چیچہ وطنی کا چیمہ نِکلا۔ اُس نے مجھ سے تیرا حلیہ پوچھا تو گیٹ والے سارجنٹوں سے بات کی۔ تو کپتان کب بنے گا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"ابھی دو سال انتظار کرنا پڑے گا۔"

"کیوں؟" عباس نے پوچھا۔

"یہی قانون ہے۔ تو اگر پولیس میں ہو گیا تو کیا سیدھا تھانیدار لگ جائے گا؟"

"گاؤں میں تو تجھے کپتان ہی کہتے ہیں۔"

"گاؤں کی کیا بات ہے،" سرفراز ہنس کر بولا۔ "چاچا تو کل پرسوں تک مجھے جرنیل بنا دے گا۔"

"ابا کہتا ہے پولیس میں بھرتی کی تو نے کسی سے بات کی ہے۔"

"پولیس میں میری کوئی واقفیت نہیں، ٹالنے کے لئے چاچے سے کہہ دیا تھا کہ پوچھ گچھ کروں گا۔ تو کیا واقعی پولیس میں جانا چاہتا ہے؟"

"میں کب چاہتا ہوں۔ ابا ہر وقت میرے مونڈھے پر چڑھا رہتا ہے۔ میں تو خوش ہوں۔ آزادی سے آتا جاتا ہوں، کسی کا جوابدہ نہیں، تعلقات بن گئے ہیں، پیسے کماتا ہوں۔ بس ابا میری جان کھاتا رہتا ہے۔ کہتا ہے اِس کام میں خطرہ ہے۔"

"ہاں،" سرفراز کھل کر ہنس پڑا۔ "یہ کام خطرے ناک ہے۔"

عباس نے بھی ہنستے ہوئے خیمے میں چاروں طرف نظر دوڑائی۔ ایک جانب چارپائی پر بستر لگا تھا۔ ساتھ کونے میں میز رکھی تھی۔ ایک اٹیچی کیس میز کے اُوپر اور ایک بکس میز کے نیچے رکھا تھا۔ خیمے کے درمیان میں ایک نیچی سی پتائی اور اس کے گرد تین آرام کرسیاں رکھی تھیں۔ فرش پہ دری اور اس کے بیچ مختصر سا قالین تھا۔ دُوسرے کونے میں اِستری کی ہوئی وردی اپنے فریم پر چھت سے جھانکتی ہوئی ایک سلاخ سے لٹکی تھی۔ ایک طرف لکڑی کا موٹا سا پالش شدہ ڈنڈا چار پیروں پہ کھڑا تھا۔ جس کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی سینگ نما کھونٹیاں لگی تھیں۔ دو قمیضیں، پتلون، ایک چمڑے کی پیٹی اور دو تین ٹائیاں اِن کھونٹیوں سے لٹک رہی تھیں۔ نیچے ایک قطار میں چمکتے ہوئے کالے فوجی بوٹ، عام پہننے والے بوٹ، ایک دو چپلیوں کے جوڑے رکھے تھے۔

"یہ تیرا کمرہ ہے؟" عباس نے پوچھا۔

"ہاں،" سرفراز نے ہنس کر جواب دیا۔ "یہ میرا 'کمرہ' ہے۔ آرام سے بیٹھ، اکڑا ہوا کیوں بیٹھا ہے۔ کوئی ہے۔۔۔۔۔" سرفراز نے سر موڑ کر اچانک باہر کو آواز دی، جس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



سے عباس چونک پڑا۔

ایک آدھ منٹ تک انتظار کرنے پر جب کوئی نمودار نہ ہوا تو سرفراز نے پورے زور سے دوبارہ آواز دی۔ "ارے کوئی ہے اَے۔۔۔۔" ساتھ ہی ایک سپاہی خاکی پتلون قمیض میں ملبوس عجلت سے خیمے کا پردہ اُٹھا کر داخل ہوا۔ "سر" وہ بولا۔

"ٹھنڈا پینے کا لاؤ۔"

سرفراز نے حکم دیا۔

"سر" سپاہی جواباً بولا اور اُلٹے پاؤں باہر نِکل گیا۔

عباس نے پشت کُرسی سے لگائی اَور ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گیا۔ سرفراز نے اُس پہ ایک گہری نظر دوڑائی اَور ہنس کر بولا، "باسے، تو نے پتلون کب سے پہننی شروع کی ہے؟"

عباس جھینپ کر ہنس پڑا۔ "شروع کہاں کی ہے، آج پہلی دفعہ چڑھائی ہے۔ ابّے نے زور سے چڑھوا دی ہے۔ کہتا تھا پینٹ چڑھا کر نہ گئے تو جانے نہیں دوں گا۔" سپاہی مشروب لے آیا۔ دو لمبے لمبے چوڑے مُنہ والے سٹین لیس سٹیل کے پالش شدہ گلاس جو دیکھنے میں چاندی کے بنے ہُوئے معلوم ہوتے تھے، اِسی طرح کی چمکتی ہُوئی ٹرے میں دھرے تھے۔ گلاس سبز رنگ کے کیلے کے شربت سے تین چوتھائی سطح تک بھرے ہُوئے تھے۔ مشروب کے اندر برف دکھائی نہ دیتی تھی مگر اِتنا ٹھنڈا کہ گلاس کی بیرونی سطح پر منجمد بخارات کے قطرے لکیریں بناتے ہُوئے بہہ رہے تھے۔ عباس گلاسوں کو دیکھتا رہ گیا۔ اُس نے اَیسے خوش شکل، اُبھری ہُوئی خمدار کمر اَور تنگ پیندے والے چاندی کے سے گلاس پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔

"چل پی، گلا گیلا کر،" سرفراز اپنا گلاس اُٹھا کر گھونٹ بھرتے ہُوئے بولا۔

عباس نے جھجکتے ہُوئے ہاتھ بڑھایا، گویا گلاس کا ادب اُس کے رستے میں مانع ہو۔ پھر ہونٹوں سے لگا کر چھوٹا سا گھونٹ لیا اور گلاس کو ہولے سے واپس ٹرے میں رکھ دیا۔

"پی پی یار، کیا بٹر بٹر دیکھ رہا ہے۔"

سرفراز نے ایک نیلے رنگ کے ریشمی سے کپڑے کا ڈریسنگ گاؤن پہنا ہُوا تھا جس کے نیچے اُس کے جسم پر جانگئے کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ بار بار ڈھلکتے ہوئے گاؤن کو سمیٹتا ہُوا دِل میں اِس بات پہ محظوظ ہو رہا تھا کہ چادر کرُتے یا شلوار قمیض سے بھی زیادہ پتلون کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



اندر عباس کو دیکھ کر اُس کی نظر زبردستی عباس کی رانوں کے بیچ چلی جا رہی تھی جہاں تنگ آسن میں پِستے ہُوئے آلائے تناسل ایک تودے کی شکل میں دکھائی دے رہے تھے اَور جنہیں عباس بار بار ڈھیلا کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ سرفراز کو عباس پہ ترس آنے لگا۔

"پھر تجھے کتنی دیر لگی ہے؟" سرفراز نے پوچھا۔

"اِدھر پہنچنے میں؟"

"نہیں، پینٹ پہن کر چلنے میں۔"

دونوں ہنس پڑے۔ عباس نے ایک دھپ سرفراز کی ران پہ جمایا۔

"یار، ابّے کا فہم کچھ اُکھڑتا جا رہا ہے۔"

"کیوں؟"

"کہتا تھا پینٹ کے بغیر فوج کے افسر سے ملاقات نہیں کرنے دیتے۔"

"ہاں، پینٹ کے بغیر تو روک ہی دیتے ہیں،" سرفراز سنجیدگی سے بولا۔

"اچھا؟"

"ہاں۔ کچھ نہ کچھ تو پہن کر آنا ہی پڑتا ہے۔"

"عباس نے ہنس کر ایک اَور دھپ سرفراز کے کندھے پہ جمایا۔

"وَیسے شلوار قمیض میں کوئی حرج نہیں،" سرفراز نے کہا۔ "یوں تو چادر کرتے میں بھی ملاقاتی آتے جاتے ہیں، مگر ذرا دُوسرے فوجیوں کی نظروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔"

"یار سرفراز،" عباس بولا۔ "ایک کام کرا دے۔"

"کیا؟"

"ابّے کو کہہ دے مجھے اُدھر ہی لگا رہنے دے۔"

"خطرے ناک کام میں"

"ناں یار، مذاق نہ کر۔ ٹھیک ٹھاک مال کماتا ہوں، میرا دِل لگا ہُوا ہے۔ یہ دیکھ،" عباس نے جیب سے ایک خُوبصورت سی ڈبیا نکالی۔

"یہ کیا ہے؟" سرفراز نے پوچھا۔

"تیرے لِئے لایا ہُوں۔" عباس بولا اور ڈھکنا اُٹھا کر ڈبیا میز پر رکھ دی۔ اندر ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


اعلیٰ درجے کے ولایتی عطر کی شیشی تھی۔

سرفراز نے مذاقاً آنکھیں پھاڑ کر شیشی کو دیکھا۔ اُٹھا کر احتیاط سے اُس کا ڈھکنا کھول کر عطر کو سونگھا، تعریفاً ابرو اُٹھا کر عباس کو دیکھا، اور ڈھکنا بند کر کے شیشی کو واپس ڈبیا میں رکھ دیا۔

"جو کچھ بھی چاہیے مجھے بتا،" عباس نے فخریہ کہا، "میں پیدا کر کے لا سکتا ہوں۔"

"مجھے رِشوت دے رہا ہے؟"

"ایسی بات نہ کر سرفراز، تو میرا بھائی ہے۔ رشوت تو غیروں کو دی جاتی ہے۔ پُس میں، میں کیا کروں گا۔ وردی چڑھا کر ہاتھ میں سیٹی دے دیں گے اور کسی افسر کی کوٹھی کے دروازے پر کھڑا کر دیں گے۔ ابا تو پُرانے زمانے کی باتیں کرتا ہے، اُسے کیا پتا کہ میرا کام اب کتنا بڑا ہو رہا ہے۔ ابا اُس وقت کام کیا کرتا تھا جب لالے کے اخروٹ اور نیزے اور ادرک ودرک اِدھر اُدھر آتی جاتی تھی۔ کسی نے بڑا ہاتھ مارا تو سونا لانے لیجانے لگا۔ میں تو اب اِدھر اُدھر کے چکر سے ہی نِکل رہا ہوں۔ یہ کوڑیوں کا کھیل ہے۔ میرا ہاتھ اب اونچے کاموں تک پہنچنے والا ہے۔ ولیت کا مال اِدھر، اِدھر کا مال ولیت کو۔ عطروں اور گھڑیوں سے لے کر فرجوں اور ٹی ویوں تک کی تجارت ہے، اور،" عباس راز داری سے آگے جھک کر بولا، "ایسا مال بھی ہے جو سونے اور کندن سے دس دفعہ زیادہ پیسہ دیتا ہے۔"

اچھا اچھا، آواز کم کر کے بات کر یار،" سرفراز جلدی سے بولا، تو فوج کے گڑھ میں بیٹھ کر ایسی بے قانونی کی باتیں کرتا ہے۔ رپورٹ ہو جائے تو میرا کورٹ مارشل ہو جائے۔ چل کوئی اور بات کر۔"

"بس پھر ابے سے کہہ دے کہ تو نے کوشش کر کے دیکھ لی ہے۔ پُس میں میرے لِئے کوئی جگہ نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ شربت تو ختم کر، باتیں ہی کئے جاتا ہے۔ میں، میس سے جا کر نہا آؤں، پھر تجھے کیمپ کی سیر کراتا ہوں۔"

"سرفراز،" عباس نے پوچھا، "تجھے سلوٹ بھی لگتے ہیں؟"

"ہاں۔ ہر جگہ پر۔ ابھی تجھے دکھاتا ہوں۔ بس اپنی بک بک ذرا بند کر۔"

مگر اُس روز عباس کے رخصت ہونے سے پہلے ہی سرفراز نے دِل میں فیصلہ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



لیا تھا کہ اُس سے جتنی بھی کوشش ہو سکی، وہ عباس کو پولیس میں بھرتی کرا کے رہے گا۔ اُس کے سامنے عباس کی زندگی کے علاوہ خُود اپنے کیریئر کا سوال تھا، کہ اُس کا نام کِسی ایسے قریبی رشتہ دار کے ساتھ منسلک نہ ہو جو جلد یا بدیر قانون کی گرفت میں آ جائے۔ وہ عباس کو الوداع کر کے واپس اپنے ٹینٹ کو لوٹ رہا تھا کہ میس سے ایک سپاہی بھاگتا ہُوا آیا۔ "ٹیلیفون ہے سر" اُس نے سیلوٹ کر کے سرفراز سے کہا۔

سرفراز رُخ بدل کر تیز تیز قدم بھرتا ہُوا بولا، "کس کا ہے؟"

"خبر نہیں سر" سپاہی نے پیچھے پیچھے چلتے ہُوئے جواب دیا، "سارجنٹ اکرم نے ریسیو کیا ہے۔" لاہور سے شعیب کا فون تھا۔

"میرا کارڈ تجھے نہیں ملا؟" سرفراز نے حال احوال پوچھنے کے بعد کہا۔ "اینی وے۔ ہیپی برتھ ڈے---- یار مشکل پڑ جائے گی---- سیٹرڈے نایٹ؟ گڈ۔ مگر سٹیشن لیو" سرفراز نے ریسیور کے آگے ہاتھ رکھ کر آواز نیچی کر لی، "کرنل اصغر کا تجھے پتہ ہے، اِس معاملے میں سٹنکر ہے---- اوکے اوکے، ٹرائی مائی بیسٹ-----" چند منٹ مزید بات کر کے اُس نے فون رکھ دیا۔ جب وہ واپس اپنے ٹینٹ میں پہنچا تو اُس کا دِل پھیل کر سینے میں نہ سماتا تھا اور ذہن میں ایسی اُڑان تھی کہ جیسے اُس کے سر میں صِرف آکسیجن بھری ہو۔ اب صِرف اُس کے سامنے اپنے کمپنی کمانڈر کرنل اصغر سے، جو سر سے گنجا تھا، سٹیشن چھوڑنے کی اجازت لینے کا مسئلہ تھا۔ مگر اِس وقت سرفراز کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کرنل اصغر کی بجائے آگے کوئی پہاڑ بھی ہو تو وہ اُسے عبور کر جائے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



# باب 9

"اوئے تو نے بتیاں وتیاں نہیں لگائیں؟" سرفراز نے پوچھا۔

"چپ کر یار،" شعیب بولا، "پاپا کا مزاج گڑبڑ ہے۔"

"کیوں؟"

"شرفی کل رات آیا تھا۔"

"بکرا؟ وہ تو کراچی میں تھا؟"

"ملتان آ گیا ہے۔"

"گُڈ۔"

"گُڈ کہاں یار۔ اُس نے کام خراب کر دیا۔"

"کیا ہُوا؟"

"تُمھیں پتا ہی ہے،" شعیب نے کہا۔ "ڈرنک لے کے آیا تھا۔ پاپا نے صبح میرے دراز میں خالی بوتل دیکھ لی۔"

"پاپا تیرے دراز میں کیا دیکھ تھے؟"

"سم ڈیم پیپر آر سمتھنگ، آئی ڈونٹ نو۔"

"پھر کیا بولے؟"

"یہی تو مصیبت ہے۔ بولتے وولتے کچھ نہیں، مُنہ پھلا کر چپ سادہ لیتے ہیں۔"

"اور پھر آپ سب کو سانپ سونگھ جاتا ہے۔ ہیں؟"

"اور کیا؟ جھاڑ واڑ پلا دیں تو مطلع صاف ہو جائے۔ وہ تو آنکھ ملانا تک بند کر دیتے ہیں اور بہانے بہانے سے نوکروں پر برستے رہتے ہیں۔"

"سائیکلاجیکل پریشر، ہیں؟"

"سائیکلاجیکل وائیکلاجیکل، بٹ اِٹس اے پین اِن دی رانگ پلیس۔"

"پھر کیا ہو رہا ہے۔ پروگرام کینسل؟"

"واہ، کوئی مذاق ہے؟ میری نوٹنٹی فرسٹ ہے، کینسل کس کھاتے میں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk



"کچھ بتا تو سہی۔"

"دیکھتے جاؤ۔ چائے پیو، چینج کرو، اور چلو۔"

"کہاں؟"

"میس۔"

"میس میں ارینج کیا ہے؟"

"ہاں۔"

شعیب الماری میں لٹکی ہوئی دو درجن ٹائیوں کو ٹٹولنے لگا۔ اُس نے دو ایک ٹائیوں کے سروں کو برابر لٹکتے ہوئے سوٹوں سے ملا کر دیکھا، پھر ایک ٹائی کھینچ کر نکالی اور اُسے کندھے پہ لٹکا لیا۔ دُوسرے ہاتھ سے اُس نے ساری ٹائیوں کا ہینگر نکالا اور اسے لاپروائی سے اپنے بستر پہ پھینک دیا جس کے برابر بچھی کرسی پر سرفراز بیٹھا تھا۔ ٹائیاں ایک دُوسری میں اُلجھ کر گڈمڈ ہو گئیں۔

"چوز کر لو،" شعیب نے کہا۔

"میرے پاس ہیں،" سرفراز نے کہا۔

"تیری میں نے دیکھ رکھی ہیں۔"

"اونہوں،" سرفراز نے نفی میں سر ہلایا۔

"یعنی تم نے نئی خریدی ہیں؟"

سرفراز ہلکی مسکراہٹ لیے اُسے دیکھتا رہا۔

"اچھا آ آ۔۔۔۔" شعیب بولا، "اب تو نے ٹائیاں 'خریدنی' شروع کر دی ہیں۔ ذرا دیکھوں کیسی ہیں؟"

"اپنے کام سے مطلب رکھو،" سرفراز نے جواب دیا۔

"شعیب کا ملازم ادریس چائے لے کر آ گیا۔ اُس نے سرفراز کے آگے رکھی تپائی پہ برتن لگا دیئے۔ "صاب اِستری کے لیے کوئی کپڑے۔۔۔۔؟"

سرفراز نے اپنے ساتھ زمین پہ رکھا بیگ کھولا اور اپنا سوٹ نکال کر اُسے دیا۔ سوٹ کے ساتھ ٹائی تھی جس پہ سلوٹیں نظر آ رہی تھیں۔ ملازم کپڑے لے کر پلٹنے لگا تو شعیب نے اُسے بازو سے پکڑ کر روکا اور اُس کے ہاتھ سے ٹائی لے کر دیکھی، پھر ہنس کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


واپس کر دی۔

"ایم ایس، تو پینڈو کا پینڈو ہی رہا۔"

"تجھے کیا اعتراض ہے؟" سرفراز چائے بناتا ہُوا بولا۔

"یہ ٹائی سوٹ کے ساتھ میچ نہیں کرتی۔ میری ٹائیوں سے چوز کرلے۔"

"چپ رہ۔ میری ٹائی ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"میرا کیا جاتا ہے ٹانگ کھنچوائے گا۔ پھر نہ کہنا کہ لڑکیاں مجھوں کرتی ہیں،" شعیب اُس کے لہجے کی نقل اُتارتے ہُوئے بولا۔

"لڑکیاں؟"

"ہاں۔ لڑکیا آآں۔ یہ مخلوق کبھی دیکھی ہے؟"

"نہیں،" سرفراز ہنس کر بولا، "کہاں سے آئی ہیں؟"

"چھیما اپنی دوستوں کو پکڑ کے لائے گی۔"

ادریس استری کئے ہُوئے دونوں سوٹ اور ٹائیاں احتیاط سے اُٹھائے اندر داخل ہوا۔ اُس نے دونوں سوٹ الماری میں لٹکا دیئے۔

"بریگیڈیئر صاحب کیا کر رہے ہیں؟" شعیب نے اِدریس سے پوچھا۔

"جی چلے گئے ہیں۔"

"کہاں چلے گئے؟"

"شائد کلب گئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ جاؤ۔" پھر شعیب نے سرفراز سے پوچھا، "پاپا سے ملاقات ہوئی؟"

"نہیں۔"

"چلو، صبح مل لینا۔"

"اگر زندہ اٹھے تو،" سرفراز نے کہا۔

"اُٹھو گے، اُٹھو گے۔ اُٹھو گے نہیں تو ترقی کیسے کرو گے؟ چلو اب کرسی سے تو اٹھو۔ تیار ہو جاؤ۔"

اب جب سرفراز کپڑے بدل کر تیار ہو رہا تھا تو ایک بار پھر اُس کا دل اُچھلنا شروع ہو گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


میس میں شرفی نعرہ مار کر سرفراز سے ملا۔ "میں نے تیرے کرلی کا علاج ڈھونڈ لیا ہے،" وہ بولا۔ اُس نے بیئر پی رکھی تھی جس کی بو کو دبانے کے لِئے وہ پیپرمنٹ چوس رہا تھا اور ساتھ ہی ہنس ہنس کر دُہرا ہو رہا تھا۔

"کیا علاج ہے؟" سرفراز نے پوچھا۔

"اونٹ---- ہاہا---- اونٹ---- اوہ----"

"کیا اونٹ اونٹ لگا رکھی ہے، سیدھی بات کر،" سرفراز نے کہا۔

"اونٹ کی---- ہوہوہو----" ہنستے ہنستے شرفی کے مُنہ سے بات نہ نِکل رہی تھی۔ "اُونٹ کی لید کا لیپ----" اُسے اچھو لگا اور کھانستے کھانستے اُس کا دم رُکنے لگا۔ آصف گولڈ، برکی نیولا، اَور شوکی بانڈے اُس کے گرد کھڑے تھے۔ "وہ تو سوکھے ہوئے گولے ہوتے ہیں شرفی،" آصف بولا، "لیپ کیسے بنتا ہے؟"

"یار پوری ریسی پی تو سنو،" شرفی نے اپنی ہنسی پہ قابو پاتے ہُوئے کہا۔ کنواری اُونٹنی کے پیشاب میں نر اونٹ کی لید---- ہوہو---- آآ----" اُسے ایک بار پھر ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔

رجمنٹل میس میں عقب کی جانب دو چھوٹے کمرے پارٹی کے لِئے ریزرو تھے۔ ایک کمرے میں دیواروں کے ساتھ ساتھ بیس پچیس کرسیاں بچھی تھیں۔ کل دس بارہ نوجوان افسر موجود تھے۔ تین فوجی وردیوں میں اَور باقی ہلکے سوٹوں میں ملبوس تین تین چار چار کی ٹولیوں میں کھڑے مہذب انداز میں خوش گپیاں کر رہے تھے۔ صِرف دو کرسیوں پر سرفراز اَور شرفی بیٹھے تھے، جبکہ اُن کے تینوں سامعین سامنے کھڑے تھے۔ سارے کمرے میں صِرف شرفی بکرا ہی آپے سے باہر ہو کر اُونچی آواز میں بول رہا تھا۔

"آزمایا ہُوا نسخہ ہے،" اُس نے ہنسی دبا کر کہا۔

"کس پہ آزمایا ہے؟" برکی نیولے نے پوچھا۔

"شرفی کی چاچی کا دادا گنجا تھا،" آصف گولڈ نے کہا۔

"ہاں،" شرفی بولا، "اسی سال کی عُمر میں اُس کے بال نِکل آئے تھے۔"

"اوئے، اصغر کرلی کے ہتھے کبھی چڑھ گیا تو تیرا حلیہ دُرست کر دے گا،" برکی نے کہا، "بڑی کُتی چیز ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk


"اوکے، شاپ اِٹ مین،" سرفراز نیم سنجیدگی سے بولا۔ "میرا او۔ سی۔ ہے۔"

"تُو بھی اپنا سر شیو کروا لے، کرلی خوش ہو جائے گا۔"

شعیب مختلف ٹولیوں کے پاس رُکتا، اُن سے ملتا ملاتا ہُوا اُدھر آ پہنچا جہاں شرفی منڈلی لگائے ہُوئے تھا۔ شرفی کا شور سارا کمرہ سن رہا تھا۔ مگر اُس کی عادت کے معمول کو جانتے ہُوئے سب وقفے وقفے پر نیم محظوظ انداز میں اُس پہ نگاہ پھینک کر پھر اپنی باتوں میں لگ جاتے تھے۔

"شرفی،" شعیب مصنوعی غصے سے بولا، "کل تو نے مجھے نربل میں ڈالا، آج ہم سب کے لِئے مصیبت کھڑی کرو گے۔ کنٹرول یور سیلف۔"

"اولمبو، بائل لانا میرا کام، ختم کرنا میرا کام غائب کرنا تیرا کام۔ وہ تو نے اچار ڈالنے کے لِئے سنبھال کر رکھی ہُوئی تھی؟"

کیپٹن افتخار نے باہر سے جھانک کر دیکھا اور دروازے پہ ہاتھ رکھ کر اٹکا رہا۔

"کنگریچولیشنز،" اُس نے شعیب سے کہا۔

"آیئے آیئے سر،" شعیب دروازے کی طرف جاتا ہُوا بولا، آیئے ناء۔"

"آئی کانٹ۔"

کیپٹن افتخار کافی سینئر تھا اور کچھ عرصے کے لِئے اکیڈمی میں شعیب اور سرفراز کے "بیچ" کا اِنسٹرکٹر بھی رہا تھا۔

"سر آپ کو پتا ہے کیا ہو رہا ہے؟" شرفی نے کمرے میں چاروں طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"بھئی مجھے تو اِنوی ٹیشن نہیں ملی، مگر تُم جانتے ہو اِنفرمیشن پوری رکھتا ہُوں۔"

"نہیں سر، آپ کو اصل حقیقت کا علم نہیں ہے،" شرفی بولا، "لمبو کی چالیسویں سالگرہ ہو رہی ہے۔ اِس نے میٹرک کے سرٹیفکیٹ میں عُمر کم لکھوائی تھی۔"

کچھ دیر پہلے پارٹی میں کیپٹن دِلاور پہنچ چُکا تھا جو شعیب کا کمپنی کمانڈر تھا۔ اُسے دیکھ کر شرفی اور سرفراز کرسیوں سے اُٹھ کھڑے ہُوئے تھے۔

"ہلو اِفتخار،" اُس نے پکار کر کہا۔ کیپٹن اِفتخار نے ہاتھ ہلا کر اُسے جواب دیا اور اُنگلی سے شرفی کی جانب اشارہ کر کے شعیب سے بولا، "نائی ہم آپ وِد اے روپ راؤنڈ دی